”جمہوریت کی تلاش میں“

ڈاکٹر فاروق حسن

حال ہی میں راقم کو زندگی میں پہلی بار ہندوستان جانے کا موقع ملا جس کی وجہ سے مجھ کو بہت سی قومی حقیقتوں سے آشنائی ہوئی' جن کے بارے میں پہلے سنی سنائی باتوں پر انحصار کیا کرتا تھا۔ اگر سیاسی و عسکری رقابت و مخالفت کو لمحہ بھر کیلئے نظر انداز کر دیں اور انڈیا کے ماڈرن کلچر کو اس کے اپنے تشخص میں دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک کی ترقی میں کن بنیادی عناصر کا زیادہ اثر موجود ہے اور مزید یہ کہ ان کی جمہوری قدروں کی کامیابی کی کلیدی وجہ یہ ہے کہ وہ تیسری دنیا کے ممالک میں سے شاید واحد ملک ہے جس میں وہاں کی عدلیہ عوام و سیاستدانوں نے کبھی نظریہ ضرورت کے تحت طاقتور طالع آزماؤں کو حکومتی دروازے پر دستک دینے کی ہمت نہیں دی۔ یہ پیش لفظ اس کالم کیلئے اس لئے ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ جس بین الاقوامی کانفرنس میں مجھے دہلی جانے کا موقع میسر آیا اس کا عنوان ہی تھا ”جمہوریت کی تلاش میں“

ہندوستان نے جو سسٹم برقرار رکھا ہے اس میں بلاشبہ جمہوری انداز فکر واضح طور پر موجود ہے اور یہی وجہ تھی کہ اس کانفرنس میں 140 مندوبین نے ہندوستان کے سسٹم آف گورنمنٹ کی تعریف کی۔

راقم کا تعلق چونکہ پاکستان سے ہے اس لئے میں نے دیدہ دانستہ پاکستان کے موجودہ سسٹم پر کچھ نہیں کہا حالانکہ وطن میں اس موضوع پر اردو و انگریزی اخبارات میں کالم لکھنے کی جسارت کرتا رہتا ہوں۔ لیکن نیپال کے ایک شہرہ آفاق کالم نگار پروفیسر آئی ایم لال کا اس سلسلے میں ذکر ضروری ہے جنہوں نے کانفرنس کے Plenary سیشن میں راقم کے ساتھ ہی تقریر کی تھی۔ انہوں نے بڑے دلچسپ انداز میں فرمایا کہ ہندوستان کا جو سسٹم ہے وہ اپنی جگہ درست ہوگا لیکن درحقیقت جنوبی ایشیاء و تیسری دنیا کے ممالک میں جس انداز و طریقہ کار سلطنت کا چرچا بڑے زور و شور سے جاری ہے وہ جنرل مشرف کا تیار کردہ وہ سسٹم آف گورنمنٹ ہے جو پاکستان میں زبردست طریقے سے دکھائی دے رہا ہے انہوں نے مزید کہا کہ اس سسٹم آف گورنمنٹ کو نہ تو کبھی ارسطو نے سوچا تھا اور نہ ہی کبھی ڈیگال جیسے فوجی جمہوریت پسند لیڈر نے۔ اس سسٹم آف گورنمنٹ کے چند نمایاں پہلو ہیں جن کو حاصل کرنے کیلئے دنیا کے سوڈیڑھ سو ممالک ہر وقت سراپا انہماک دکھائی دیتے ہیں اور جس کی پیروی کیلئے بقول ان کے اس وقت نیپال جیسے ملک میں کام کیا جارہا ہے اس سسٹم آف گورنمنٹ کے نمایاں پہلو یہ ہیں!

1۔ ملک کا سربراہ مملکت بغیر الیکشن کے کسی ماورائے آئین ریفرنڈم کے ذریعے زبردستی صدر مان لیا جائے۔

2۔ ملک کی فوج کا سربراہ حاضر سروس ہونے کے علاوہ ایسی تیار کردہ جمہوریت کا ”محافظ“ بنادیا جائے۔

3۔ ظفر اللہ جمالی جیسا ایک وزیراعظم ڈھونڈ لیا جائے جو اس سسٹم کے بیان کردہ پہلے دو اصولوں کو نہ صرف خوشی سے قبول کرلے بلکہ ان کی وکالت میں ہر وقت پیش پیش ہو۔

4۔ ایک ایسی پارلیمنٹ تشکیل دے دی جائے جو ان تمام اقدامات پر بغیر کوئی وقت ضائع کئے اپنی مہر لگانے کیلئے تیار بیٹھی ہو۔

5۔ عدلیہ و قانون کو اس طرح کے اصحاب کے تابع کر دیا جائے کہ وہ ان تمام اقدامات پر قانونی و عدالتی مہر لگانے میں کوئی سماجی یا نفسیاتی دشواری محسوس نہ کریں۔

6۔ اگر ایسے اقدامات کے خلاف مقامی طور پر ہیومن رائٹس کے ادارے یا پریس انھیں تو ان کو غیر محب وطن و تخریب کار کا لیبل دیکر خاموش کر دیا جائے۔

7۔ اور اگر امور سلطنت میں کوئی Contender یا Pretender سامنے دکھائی دے تو اس کو نیپال کی طرح ختم کر دیا جائے یا پھر جلاوطن۔

لال صاحب کی اس تقریر نے سامعین کو بظاہر بہت محظوظ کیا اور یہ بات باعث تعجب بھی نہیں ہونی چاہئے کیونکہ جس حقیقت کی طرف وہ اشارہ کر رہے تھے وہ اس وقت ایشیاء و امریکہ کے بیشتر ممالک میں رواں دواں ہے جنرل مشرف اور ہماری مشکل یہ ہے کہ باوجود Identical مصیبتوں و دشواریوں کے برصغیر میں ہندوستان نے جمہوریت کے شعبے میں ایک بین الاقوامی معیار کو چھو لیا ہے۔ سونے پہ سہاگہ یہ ہے کہ ساؤتھ ایشیاء میں ہی کم از کم دو ملک ایسے ہیں جن میں پچھلے کئی سالوں سے باوجود انتہا درجے کی دشواریوں کے جمہوریت کو طاقت کے بل بوتے پر اکھاڑا نہیں جاسکا اور یہ ہیں بنگلہ دیش و سری لنکا لیکن پاکستان میں ہم اسلام و جمہوریت کے تاریخی ورثے رکھنے کے باوجود بھی ہر وسیع غیر آئینی اقدام کو جمہوری کہنے میں نہ صرف شرم محسوس نہیں کرتے بلکہ اس کی تائید میں سلطنتی ادارے و اہم ترین قومی عہدے دار ایک دوسرے سے سبقت لینے میں پیش پیش رہتے ہیں۔

لہذا صرف اس چیز کو ہم ذہن نشین کرلیں کہ ہندوستان پر سبقت یا برابری حاصل کرنے کیلئے قدروں کی اہمیت اجاگر کرنا ضروری ہے جس کو ہم جمہوریت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ پچھلے چند روز کے دوران پی ٹی وی پر جنرل مشرف نے اہم بیرونی دورے پر آئی ہوئی شخصیت کو اپنی خاکی فوجی وردی میں ملنے کو ترجیح دی کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان کا سویلین ”پریذیڈنٹ“ کا حاصل کردہ منصب مکمل طور پر ان کی فوجی ملازمت کا مرہون منت ہے اور ویسے بھی 9/11 کے واقعہ کے بعد جو کچھ پاکستان نے دوسروں کی امداد کیلئے کیا ہے جس میں حالیہ ایام میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی ”حوصلہ افزائی“ بھی شامل ہے۔ مشرف حکومت یہ فلسفہ دنیا میں مشہور کر رہی ہے کہ فوجی وردی کے ساتھ اور ماتحت ایک کنٹرولڈ نیم جمہوری طرز حکومت چل سکتی ہے۔ (کیونکہ اس کی بدولت دنیاوی و عالمی مقتدر حلقے آرام سے اپنے خارجہ امور کے مقاصد حاصل کرنے کیلئے کام کر سکتے ہیں) موجودہ حالات میں تو یہ طریق عمل کامیاب ہوتا دکھائی دے رہا ہے لیکن اس کے برعکس بنیادی طور پر جو سوچ یورپ میں موجود ہے وہ وہاں کی حکومتوں کی موجودہ سوچ پر حاوی ہو جائے اور امریکہ میں ڈیموکریٹک امیدوار جان کیری صدارتی انتخاب میں کامیاب ہو جائیں تو پاکستان کا موجودہ طریق حکومت برقرار رہنا مشکل ہوگا۔ راقم کو حال ہی میں جب ہارورڈ یونیورسٹی کی ایک تقریب میں سینٹر کیری کی انتخابی مہم میں بطور ایک ایکسپرٹ بین الاقوامی امور کے معاون کی حیثیت سے شامل ہونے کی دعوت دی گئی تو مجھے احساس ہوا کہ ڈیموکریٹک پارٹی جن خارجہ امور کو الیکشن ایشو بنانے کا ارادہ رکھتی ہے ان میں ایسے امور شامل ہیں جن کا تذکرہ میں نے اوپر کیا ہے اگر کیری نومبر میں الیکشن جیت گئے تو جنرل مشرف شاید 31 دسمبر سے پہلے ہی اپنی وردی اتارنے میں اپنی بھلائی سمجھیں گے۔

ہندوستان پر سبقت یا برابری حاصل کرنے کیلئے قدروں کی اہمیت اجاگر کرنا ضروری ہے جس کو ہم جمہوریت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں